مولانا ارشاد الحق اثری قسط نمبر ۲

اختلافِ امت اور مسلکِ اعتدال

فقہی مسائل میں ہمارا موقف :

مسائل پر غور کیا جائے تو انہیں تین انواع پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱) متفق علیہ مسائل مثلاً فرائض اور ضروریاتِ دین، کہ ان کے بارے میں تقریباً ائمہ کا اتفاق ہے۔

(۲) وہ مسائل جن میں اختلافِ تنوع ہے۔ مثلاً ادعیہ استفتاح، دعائے تشہد، عدد کلمات اذان و تکبیر اور بسم اللہ جہراً پڑھی جائے یا آہستہ؟ قرأتِ قرآن وغیرہ۔ ان مسائل میں جن پر دل مطمئن ہو اور جسے ادلہ کی روشنی میں راجح سمجھا جائے عمل کر لیا جائے صحیح ہے۔

(۳) وہ مسائل جن میں توفیق و تطبیق مشکل ہے، مثلاً عورت کو چھونے سے وضو کا ٹوٹنا، یا مسِ ذکر سے، خون نکل آنے اور اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کا ٹوٹ جانا۔ نماز میں سورۂ فاتحہ وغیرہ ایسے مسائل جن میں تطبیق ممکن نہیں۔ ان مسائل میں غور و فکر اور تحقیق کی ضرورت ہے۔ جو دلائل کے اعتبار سے صحیح اور احوط ہو اسے اختیار کیا جائے اور جو غیر صحیح ہو اسے بلا تردد چھوڑ دیا جائے۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ مؤخر الذکر نوع کے مسائل میں بھی اختلاف، صحابہ کرامؓ کے زمانہ سے چلا آتا ہے۔ مگر ہم فریقین کو عند اللہ اختلافِ اجتہاد کی بنا پر مأجور سمجھتے ہیں۔ دونوں کو مصیب نہیں سمجھتے۔ کیونکہ حق ہمیشہ ایک ہوتا ہے اس میں تعدد نہیں۔ علامہ ابن عبدالبرؒ نے جامع بیان العلم میں اس پر بڑی نفیس بحث کی ہے اور صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کے فتاویٰ و عمل سے ثابت کیا ہے کہ حق منقسم نہیں ہوتا۔ اشہبؒ بن عبدالعزیز امام مالک سے نقل کرتے ہیں :

"ما الحق إلا واحد قولان مختلفان لا يكونان صوابا جميعا ما الحق و الصواب الا واحد قال اشهب و به يقول الليث"

(جامع بیان العلم ص۸۸، ۸۹ ج ۲)

کہ "حق ایک ہی ہوتا ہے دو مختلف قول کبھی صحیح نہیں ہوتے۔ کیونکہ حق وصواب صرف ایک ہے اشہب فرماتے ہیں کہ امام لیثؒ کا بھی یہی قول ہے"

صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کے مابین فقہی مناقشات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"ولو كان الصواب فی وجهين متدافعين فاخطأ السلف بعضهم بعضا فی اجتهادهم وقضاهم وفتواهم والنظر يأبى ان يكون الشئ و عندہ صوابا كله"

"اور اگر دونوں مختلف صورتیں صحیح ہوتیں تو سلف اجتہادات وقضایا اور فتاوی میں ایک دوسرے کو خطا پر قرار نہ دیتے"

لہٰذا مختلف فقہی مسائل میں اہل علم کو چاہیئے کہ حق وصواب کو تلاش کریں اور دلائل کے اعتبار سے جو صواب ہو اسے اختیار کریں (اور لوگوں کو اس کی تلقین کریں) خواہ مجتہدین میں سے وہ قول کسی کا بھی کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ حق کسی ایک ہی مجتہد کے اقوال میں دائر نہیں۔ مثلاً ہم عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹنے کے قائل نہیں جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے۔ اور مس ذکر کے متعلق امام شافعیؒ کا قول کہ وضو ٹوٹ جاتا ہے صحیح سمجھتے ہیں۔ اور اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو کرنے کے قائل ہیں جیسا کہ امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ ہمیشہ صرف ایک ہی مجتہد کے اقوال کو صحیح سمجھنا نہ عملی طور پر ممکن ہے اور نہ ہی ادلّہ اس کی مؤید ہیں۔ بلکہ علامہ شعرانی تو فرماتے ہیں:

"لا يكمل لمومن العمل بالشريعة كلها و هو متقلد بمذهب ابدا"

کہ "مومن اگر ہمیشہ ایک ہی مذہب کی تقلید کرے تو کامل شریعت پر عمل نہیں کر سکتا"

(المیزان الکبریٰ ص ۲۳ ج ۱)

اور یہ ایسی بدیہی بات ہے جس کا کوئی ذی علم انکار نہیں کر سکتا۔ مگر برا ہو تقلید وجمود کا جو انسان کو اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ اپنے امام کے قول کو بہر حال صحیح باور کراتا ہے، خواہ اس کے لیے کتنی ہی رکیک سے رکیک تاویل کرنی پڑے۔ جیسا کہ علامہ صالح الغلانی نے

متقدمین حضرات کا نمونہ یہی شیوہ تبلایا ہے۔ ملاحظہ ہو (ایقاظ ھمم اولی الابصار) بلکہ حدیہ کہ علامہ الکرخیؒ نے تو یہ اصول ہی بنا ڈالا کہ :

" ان کل اٰیة تخالف قول اصحابنا فانها تحمل علی النسخ او علی الترجیح والاولی ان تحمل علی التاویل من جهة التوفیق .... ان کل خبر یجیٔ بخلاف قول اصحابنا فانه یحمل علی النسخ او علی انه معارض بمثله ثم صار الی دلیل اٰخر او ترجیح فیه بما لا یحتج به اصحابنا من وجوه الترجیح الخ " (اصول کرخی مع اصول بزدوی ص۳۷۳ مطبوعہ کراچی)

یعنی " ہر آیت جو ہمارے اصحاب (یعنی ائمہ) کے خلاف ہے وہ نسخ یا ترجیح پر محمول ہو گی اور بہتر یہ ہے کہ اسے توفیق وتطبیق کی وجہ سے تاویل پر محمول کیا جائے اور جو حدیث ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو وہ نسخ پر محمول ہو گی یا سمجھا جائے گا کہ اسی کے ہم مثل اس کے معارض دلیل ہو گی۔ پھر اس دلیل کی طرف رجوع کیا جائے گا یا جس سے ہمارے اصحاب نے استدلال کیا ہے وجوہ ترجیح کے اعتبار سے اسے راجح سمجھا جائے گا "

غور فرمایا آپ نے، کہ آیت وحدیث ہمارے اصحاب کے خلاف ہو تو آیت وحدیث کی تاویل ہو گی اور کسی نہ کسی صورت میں آیت وحدیث کو ان اقوال کے مطابق کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ معاذ اللہ یوں محسوس ہوتا ہے، گویا قولِ اصحاب اصل ہے یا "اصحاب" معصوم عن الخطاء ہیں کہ ان کا ہر ہر قول وفتویٰ صحیح ہے۔ ورنہ ان کے خلاف آیت یا حدیث کی تاویل یا نسخ وغیرہ پر محمول کے کیا معنیٰ؟ اور کیا یہ اصول اس کا بھی آئینہ دار نہیں کہ " ہمارے اصحاب " سے کوئی فرمانِ نبوی یا دینی مسئلہ کی وضاحت فوت نہیں ہوئی۔ حالانکہ علامہ لکھنویؒ لکھتے ہیں :

" فانّ العلم بکل جزئی من جزئیات الدین لیس من شان البشرؐ

کہ " دین کی ہر ایک جزی کا علم انسانی شان کے مطابق نہیں " (سعایة ص۵۳/۱)

انسان آخر انسان ہے۔ ضعف وکمزوری اس کا فطرتی نقص ہے۔ " خلق الانسان ضعیفا " لہٰذا کسی امتی کے بارے میں اس قسم کا تصور انتہائی غلو بلکہ خطرناک جسارت ہے۔ مولانا فضل اللہ جیلانی مصنف " فضل اللہ الصمد فی شرح الادب المفرد " نصیحتاً فرماتے ہیں :

حدیث کی عظمت بہر طور ملحوظ رکھنی چاہیئے، غضب کی بات ہے کہ جہاں صاف اور صریح

قوی حدیث موجود ہو اس سے صرفِ نظر کرکے محض حنفی مسلک کو ثابت کرنے کے لیے مرسلات اور کمتر درجہ کی حدیثوں سے استدلال کیا جائے" .... " امام ابوحنیفہؒ کی عظمت مسلّم مگر انوارِ نبوت کو حنفیت میں مقید نہیں کیا جا سکتا" (ماہنامہ الحق ص۵۲، ۵۴ ج ۵ شمارہ ۳ دسمبر ۱۹۷۹) -

کاش ہمارے مقلدین بالخصوص اکابر دیوبند اس نصیحت پر عمل کریں، مگر ادھر جو حال ہے اس کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں - تعصّب وتقلید کے داعیوں کے اس کردار کا تذکرہ علامہ محمد حیات سندھیؒ نے تحفۃ الانام، شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ، اور علامہ الفلانی نے "ایقاظ همم اولی الابصار" میں بڑے تاسف سے کیا ہے - شاہ صاحب اپنی ایک دوسری تصنیف میں لکھتے ہیں :

" وترى العامة سيما اليوم فى كل قرية يتقيدون بمذهب من مذاهب المتقدمين يرون خروج الانسان من مذهب من قلده ولو فى مسئلة كالخروج من الملة كانه نبى بعث اليه و افترضت طاعته عليه " (تفهيمات ص۱۵۱ ج۱)

کہ "تم آج کل ہر قریہ میں عوام کو دیکھو گے کہ وہ متقدمین میں سے کسی ایک مذہب کے پابند ہیں اور کسی انسان کا اس سے خروج، ملت سے خروج کے مترادف سمجھتے ہیں گویا وہ امام ان کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے اور ان پر اس کی اطاعت فرض ہے "

اور علامہ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں :

"قال لى بعض المقلدين لو وجدت حديثا فى البخارى و مسلم لم يأخذ به امامى لا اعمل به، وذلك جهل منه بالشريعة واول من يتبرأ منه امامه " (الميزان الكبرى ج۱ ص۱۰)

کہ "مجھے بعض مقلدین نے کہا کہ اگر میں کوئی حدیث بخاری اور مسلم میں ایسی پاؤں کہ جس پر میرے امام نے عمل نہیں کیا تو میں بھی اس پر عمل نہیں کروں گا لیکن یہ قول اس کی شریعت مطہرہ سے ناواقفیت پر مبنی ہے اور سب سے پہلے اس کا امام اس سے اظہارِ بیزاری کرے گا "

اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ فقہی مسائل میں یہ جمود و تعصب محض تقلید کے نامسعود دور کی پیداوار ہے۔ صحیح صورتِ حال وہی تھی جو خیر القرون اور خود ائمہ مجتہدین کے دور میں تھی۔ ائمہ مجتہدین اپنے اقوال سے دلائل کی بنا پر رجوع کرتے رہے اور ان کے تلامذہ دلائل ہی کی روشنی میں اپنے شیوخ سے اختلاف کرتے رہے اور یہی انداز بعض سعید روحوں میں آخر دور تک قائم رہا کہ "قلیل ما تذکرون" اور "قلیل من عبادی الشکور" جس کا انکار کسی بھی ذی علم سے ممکن نہیں۔

اجتہاد اور تقلید — کیا ائمہ اربعہ کے علاوہ کوئی مجتہد نہیں؟

ائمہ اربعہ یعنی امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا مجتہد ہونا مسلم۔ مگر اس کے یہ معنی قطعاً نہیں کہ ان سے پہلے یا بعد کوئی مجتہد نہیں ہوا۔ حضرات صحابہ کرام کے بعد سعید[1] بن مسیب، عروہ[2]، قاسم[3] بن محمد، خارجہ[4] بن زید، عبید اللہ[5]، سلیمان[6] بن یسار، ابوبکر[7] بن عبدالرحمن یہ وہ سات فقہاءِ مدینہ ہیں جن کے متعلق محمد بن یوسف حنفی المتوفی ۹۴۲ھ کہتے ہیں:

"الا من لا یقتدی بائمة - فقسمت ضیزی من الحق خارجه

فخذ هم عبید الله، عروة، قاسم، سعید ابوسلیمان، خارجة"

یعنی خبردار جو ان چھ ائمہ کی اقتداء نہیں کرتا اس کی قسمت کھوٹی اور وہ حق سے خارج ہے اور وہ ہیں:- عبید اللہ، عروۃ، قاسم، سعید، ابوسلیمان اور خارجہ[1]۔ ان کے علاوہ امام زہری، شعبی، عطاء، طاؤس، حسن بصری، ابن سیرین، مکحول دمشقی، اوزاعی، ابراہیم النخعی، حماد، سفیان الثوری، ابن ابی لیلیٰ، ربیعۃ، لیث، ابن مبارک، اسحاق بن راہویہ وغیرہ وہ بزرگ ہیں جو ائمہ اربعہ سے پہلے یا ان میں سے بعض کے معاصر ہیں۔ اپنے وقت کے امام، فقیہ، مجتہد اور مفتی تھے جیسا کہ تاریخ و تراجم کی کتابوں سے عیاں ہوتا ہے۔ امام لیث مصری کے متعلق تو امام شافعیؒ نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ:

"اللیث افقه من مالک" کہ لیث مالک سے زیادہ فقیہ ہیں۔

اور یہی قول امام ابن بکیر سے بھی منقول ہے۔ (تہذیب ص ۴۶۳ ج ۸) ائمہ اربعہ کے بعد جن حضرات کو مجتہدین کی فہرست میں شمار کیا گیا ان میں امام ابن جریر طبری، امام البخاری، امام داؤد

---

[1] یہ علیحدہ بات ہے کہ تکبیرات عیدین کے متعلق خود احناف کا مسلک فقہاء سبعہ کے موافق نہیں۔ فقہاء سبعہ تو ۱۲ تکبیرات زائدہ کے قائل ہیں۔ ملاحظہ ہو نیل الاوطار ص ۳۱۷ ج ۳ وغیرہ۔ مگر احناف صرف چھ کے قائل ہیں۔

ظاہری، امام ابن خزیمہ، ابوثور، بقی بن مخلد سرفہرست ہیں۔ علامہ ذہبی نے سیر النبلاء ج ۸ ص ۸۱ و ص ۵۲۹ میں مجتہدین کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ ان کے علاوہ علامہ سیوطی نے حسن المحاضرہ ج ۱ ص ۱۶۱ میں ایک باب مستقل طور پر "ذکر من کان بمصر من ائمۃ المجتہدین" کے نام سے ذکر کیا ہے۔ جس میں تابعین سے لے کر اپنے دور کے، مجتہدین کا ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن حزم نے اصحاب الفتیاء کے نام سے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس میں صحابہ کرام کے بعد اپنے دور تک کے مجتہدین کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مکہ کے ۲۱، مدینہ کے ۶۰، شام کے ۳۱، بصرہ کے ۹۷، کوفہ کے ۹۱، مصر کے ۱۹ اور دیگر علاقوں کے ۴۴ مجتہدین کا نام بنام ذکر کیا ہے۔ اور یہ رسالہ جوامع السیر کے ساتھ مطبوع ہے۔ علامہ سیوطی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں کہ امت میں بے شمار مجتہد گذرے ہیں اور تبع تابعین کے بعد بھی بہت سے صاحب مذہب مجتہد ہوئے ہیں۔ اور گزشتہ سالوں میں دس مذہب رائج تھے۔ چنانچہ مذاہب اربعہ کے علاوہ مذہب سفیان ثوری، مذہب اوزاعی، مذہب اللیث، مذہب اسحاق، مذہب ابن جریر، مذہب داؤد بھی جاری تھے۔ مگر پانچویں صدی کے بعد قصور ہمت کی بنا پر باقی مذاہب ختم ہو گئے۔ الحاوی للسیوطی ج ۲ ص ۱۵۶۔ لیکن شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

> "امام سفیان ثوری، جو اہل عراق کے امام اور اکثر ائمہ کے نزدیک اپنے اقران مثلاً ابن ابی لیلیٰ، حسن بن صالح، ابوحنیفہ وغیرہ سے بڑے مرتبہ کے تھے، کا مذہب خراسان میں آج تک موجود ہے۔ اسی طرح امام اسحاق اور امام داؤد کا مذہب بھی آج تک چل رہا ہے بلکہ مشرق و مغرب میں داؤدی مسلک کے پیروکار اکثر ملتے ہیں[1]۔" (الفتاوی الکبریٰ ص ۳۷۴)

اور یہ کون نہیں جانتا کہ سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی امام ابوثور کے اقوال پر فتویٰ دیا کرتے تھے (تاریخ بغداد ج ۷ ص ۲۴۲) علامہ ذہبی کا تذکرہ اور سخاوی کی "الضوء اللامع" اٹھا کر دیکھ لیجئے، آپ بے شمار حضرات کے تراجم میں امام مجتہد یا یہ کہ "وہ کسی کی تقلید نہ کرتے تھے" کے الفاظ لکھے ہوئے پائیں گے۔ علامہ شوکانی کی "البدر الطالع" میں بیسوں مقامات پر یہ جملہ آپ کو ملے گا "حل عنقہ عن عری التقلید"۔ لہٰذا اس تاریخی تسلسل کے

[1] مقدمہ کتاب التعلیم کے غالی مصنف نے مسعود بن شیبہ سندھی نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اکثر "روز راود" یزدجرد، جر بازقان اور بعض اہل ہمدان بھی ثوری مذہب کے متبع ہیں (مقدمہ کتاب التعلیم)

باوجود یہ رٹ لگائے جاتا کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہوا[1]۔ محض کورچشمی اور تقلید جمود کا نتیجہ ہے۔ علامہ عبدالحی لکھنوی نے ان حضرات کی بڑی پرزور تردید کی ہے جو اس بات کے مدعی ہیں کہ ائمہ اربعہ کے بعد کوئی مجتہد نہیں پایا جاتا۔ لکھتے ہیں:

"علامہ بحرالعلوم نے شرح تحریرالاصول میں کہا ہے کہ بعض متعبین نے جو یہ کہا ہے کہ اجتہاد مطلق ائمہ اربعہ کے بعد ختم ہوگیا ہے اور ان کے بعد کوئی بھی مجتہد مطلق نہیں پایا جاتا اور اجتہاد فی المذہب علامہ نسفی مؤلف کنز پر ختم ہوگیا ہے تو یہ قول غلط اور اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہے اگر ان سے پوچھا جائے کہ تمہیں اس بات کا علم کیسے ہوا تو وہ اس کی ہرگز کوئی بھی دلیل پیش نہیں کرسکیں گے۔ پھر بلکہ یہ قول اللہ ذوالجلال کی قدرت کاملہ پر بھی تحکم ہے انہیں یہ کہاں سے علم ہوا کہ قیامت تلک اللہ تعالےٰ مقام اجتہاد تک پہنچنے کی فضیلت کسی کو عطا نہیں فرمائے گا۔ خبردار ایسے تعصب اور ہٹ دھرمیوں سے بچو" اور شرح مسلم الثبوت میں ہے کہ "کچھ لوگ ایسے ہیں جنہوں نے کہا ہے کہ علامہ نسفی کے بعد زمانہ مجتہد سے خالی ہے اور اس سے وہ اجتہاد فی المذہب مراد لیتے ہیں اور اجتہاد کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ ائمہ اربعہ پر ختم ہوچکا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے امت پر چاروں میں سے ایک کی تقلید واجب قرار دے دی ہے۔ لیکن ھذا کلہ ھوس من ھوساتھم۔"

"یہ ان کی ہوسوں میں سے ایک ہوس ہے" ان کے کلام کا کوئی اعتبار نہیں یہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق حدیث پاک میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ انہوں نے بے علمی میں فتویٰ دیا۔ سو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اور یہ لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ اس قسم کی باتیں ان پانچ باتوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو ائمہ اربعہ کے اجتہاد مطلق کے انقطاع کا مدعی ہے وہ غلطی اور خبط میں مبتلا ہے کیونکہ اجتہاد اللہ تعالےٰ کی رحمت ہے اور وہ کسی مخصوص فرد یا مخصوص زمانہ پر منحصر نہیں

---

[1] جیسا کہ لدھیانوی صاحب نے لکھا ہے۔ صـ۴۵ (حصہ دوم)

اور جو یہ کہتا ہے کہ اجتہاد کا امکان تو ہے مگر نفس الامر میں وہ ختم ہو چکا ہے تو اگر اس کا یہ مقصد ہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد جمہور کسی مجتہد کے اجتہاد پر متفق نہیں ہوئے تو یہ مسلم ہے ورنہ مجتہد مستقل ائمہ اربعہ کے بعد بھی ہوئے ہیں، مثلاً امام ابو ثور بغدادی، امام داؤد ظاہری، امام محمد بن اسماعیل بخاری وغیرہ جیسا کہ کتب طبقات کے مطالعہ کرنے والوں پر مخفی نہیں[1] (النافع الکبیر ص۱۰۷)

علامہ لکھنوی کے اس بیان سے ان حضرات کے اس قول کی کمزوری واضح ہو جاتی ہے کہ تیسری صدی کے بعد امت میں کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا رہی یہ بات کہ ائمہ اربعہ کے بعد بڑے بڑے ائمہ حنفی ہیں یا شافعی وحنبلی تو یہ بھی محض ایک واہمہ ہے۔ اس قسم کا انتساب ان علمائے کرام کے ساتھ طریقہ اجتہاد اور طرز استدلال میں موافقت کی وجہ سے ہے نہ کہ تقلید کی وجہ سے امام محمدؒ اور قاضی ابو یوسفؒ بھی محض اسی بنا پر حنفی ہیں ورنہ فروع کے علاوہ اصول میں بھی انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی مخالفت کی ہے۔ علامہ لکھنوی شیخ شہاب الدین حنفی سے نقل کرتے ہیں:

"و لکل واحد منهم اصول مختصة تفردوا بها عن ابی حنیفة و خالفوه فیها" (النافع الکبیر ص۹۹)

کہ "ان میں سے ہر ایک کے مخصوص اصول ہیں جنہیں انہوں نے امام ابو حنیفہؒ کی مخالفت کی ہے"۔

قارئین کے ملال طبع کا احساس نہ ہوتا تو ہم موطا امام محمد اور اختلاف ابی حنیفہ و ابن ابی لیلیٰ لابی یوسف سے ان مسائل کی نشاندہی کرتے اور استاذ کے مقابلہ میں ان کے شاگردان رشید کے استدلال کا تذکرہ بھی کرتے۔ ہم یہاں صرف نمونہ کے طور پر امام محمد کا ایک قول نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو انہوں نے مسئلہ وقف کے متعلق کیا ہے چنانچہ علامہ السرخسی لکھتے ہیں:

"وقد استبعد محمد رحمه الله قول ابی حنیفة فی الکتاب لهذا و سماه تحکما علی الناس من غیر حجة . . . . وقال و لو جاز التقلید

---

[1] علامہ لکھنوی نے جو یہ فرمایا ہے کہ مجتہد مطلق تو ہوئے مگر جمہور کسی کے اجتہاد پر متفق نہیں ہوئے تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے متبعین کے علاوہ دیگر مذاہب کو ظل سلطانی حاصل نہ ہو سکا تفصیل کے لئے دیکھئے الارشاد الی سبیل الرشاد۔ علامہ لکھنوی کے علاوہ علامہ شعرانی نے بھی اس فکر پر شدید نکتہ چینی کی ہے (دیکھئے المیزان الکبریٰ ص۳۸، ۳۹ ج۱ اول)

کان من مضی من قبل ابی حنیفۃ مثل الحسن البصری و ابراھیم النخعی
رحمھما اللہ اجری ان یقلدوا "

کہ "امام محمد نے امام ابوحنیفہ کے قول کو "الکتاب" میں بعید قرار دیا ہے اور اس کا نام تحکم اور سینہ زوری رکھا ہے . . . . اور اگر تقلید جائز ہوتی تو جو حضرات امام ابوحنیفہ سے پہلے گذرے ہیں مثلاً حسن بصری اور ابراہیم النخعی وہ زیادہ حقدار ہیں کہ ان کی تقلید کی جائے" (المبسوط للسرخسی ص ۲۸ جلد ۱۲)

تو اب اس کے بعد بھی انہیں حنفی ہی قرار دینا تحکم اور سینہ زوری نہیں؟ اسی طرح امام طحاوی بھی حنفی معروف ہیں حالانکہ علامہ لکھنوی لکھتے ہیں کہ:

"ولھم اختیارات فی الاصول والفروع ـ" (الفوائد الکبیر ص ۱۰)

کہ اصول و فروع میں ان کے مختار اقوال ہیں"۔

علامہ کاشمیری رقمطراز ہیں:

"والطحاوی امام مجتہد و مجدد"

کہ "طحاوی امام مجتہد مجدد ہیں (العرف الشذی ص ۲۵)

بلکہ جب ان کی قاضی ابوعبید بن جرثومہ کے ساتھ ایک مسئلہ کے بارے میں گفتگو ہوئی تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ:

"او کل ما قال ابو حنیفۃ اقول" فقال ما ظننتک الا مقلداً فقلت له وهل یقلد الا عصی فقال لی او غبی"

"کیا امام ابوحنیفہ کا ہر قول میرا قول ہے تو انہوں نے کہا (قاضی صاحب نے) میں تو تمہیں مقلد سمجھتا ہوں تو میں نے کہا تقلید تو وہی کرتا ہے جو گنہگار رہے یا غبی کم عقل ہے"

(لسان المیزان ص ۲۸۰ ج ۱)

ائمہ شافعیہ میں سے اسی قسم کے خیالات کا اظہار علامہ ابوبکر القفال، شیخ ابو علی اور قاضی حسین وغیرہ نے کیا ہے چنانچہ علامہ لکھنوی لکھتے ہیں:

"وقد نقل عن ابی بکر القفال وابی علی والقاضی حسین من الشافعیۃ انهم قالوا لسنا مقلدین للشافعی بل وافق رأینا رأیه الخ"

کہ امام ابوبکر قفال، ابوعلی اور قاضی حسین جو شوافع میں شمار ہوتے ہیں، سے

منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ہم امام شافعی کے مقلد نہیں بلکہ ہمارا اجتہاد ان کے اجتہاد کے موافق ہے۔" (النافع الکبیر صفحہ ۱۱)

اسی نوعیت کا تصور امام نسائیؒ، امام بیہقی وغیرہ ایسے محدثین کے متعلق ہے کہ وہ شافعی تھے۔ حالانکہ اس کا سبب بھی امام شافعی کے اجتہاد سے ان کی موافقت ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ صفحہ ۱۵۳، ج اول میں صراحت کی ہے۔ زرد رنگ کا لباس امام شافعی جائز قرار دیتے ہیں، مگر حافظ ابن حجر جو شافعی معروف ہیں، لکھتے ہیں کہ یہ حدیث معروف کے خلاف ہے۔

"قال البیهقی فلو بلغ الشافعی لقال به اتباعا للسنة کعادته"

اور امام بیہقی نے کہا کہ:

"امام شافعی کو اگر یہ حدیث پہنچ جاتی تو وہ اپنی عادت کے مطابق سنت کی اتباع کرتے۔" الخ (فتح الباری صفحہ ۳۰۴، ج ۱۰)

امام شافعی "صلوٰۃ وسطیٰ" سے مراد صبح کی نماز لیتے ہیں۔ مگر محققین علمائے شافعیہ نے احادیث کی بنا پر ان سے اختلاف کیا ہے۔ بلکہ علامہ الماوردی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ امام شافعی کا اپنا قول ہے کہ جب حدیث صحیح ہو اور میں نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہو "فانا راجع عن قولی" تو میں اپنے قول سے رجوع کرلوں گا۔ لہٰذا جب یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ صلاۃ وسطیٰ سے مراد عصر کی نماز ہے تو امام شافعی کا بھی یہی قول قرار دینا چاہیئے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ صفحہ ۲۹۴)